امام ابوحنیفہؒ اور مسئلہ قیاس

مولانا محمد ابوبکر غازی پوری

شرعی حجتوں میں سے ایک حجت قیاس بھی ہے۔ مذاہب اربعہ کی کوئی کتاب جس کا تعلق اصول فقہ سے ہو، اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ آپ کو جج شرعیہ کے ضمن میں قیاس کا بیان بھی ضرور ملے گا اور واقعہ یہ ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا کہ امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ بعض دوسرے ائمہ نے قیاس کا استعمال امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ کیا ہے مگر یہ بڑی عجیب بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کو ابنائے زمانہ نے خصوصاً بعض ظاہر بین جماعتوں نے اس بارے میں سب سے زیادہ مطعون کیا ہے اور ان کو قیاس اور اہل رائے جیسے الفاظ سے طعن وتشنیع کے طور پر یاد کیا ہے۔ بلکہ بعض نے باقاعدہ یہ کوشش کی ہے کہ وہ یہ ثابت کر دکھائیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے قصداً احادیث صحیحہ کو چھوڑ کر قیاس اور اپنی رائے کا استعمال کیا ہے۔

متقدمین میں بھی بعض حضرات نے امام ابوحنیفہؒ اور خصوصاً ان لوگوں نے جن کی نگاہ نصوص سے آگے نہیں بڑھتی تھی اور جو شرعی علتوں اور حکمتوں کی معرفت سے عموماً بہرہ یاب نہیں ہوتے تھے، انہوں نے خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ کو قیاس اور رائے کے استعمال پر مطعون کیا ہے۔ چنانچہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں:

''اصحاب حدیث نے امام ابوحنیفہ کی مذمت میں اس الزام میں کہ انہوں نے احادیث کے مقابلے میں قیاس اور رائے کا استعمال کیا ہے، افراط سے کام لیا ہے اور حد سے آگے بڑھ گئے ہیں۔''

(جامع بیان العلم: ص148/ج27)

بلکہ بعض نے تو یہاں تک جرات کی کہ اس کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کو مجروح قرار دے دیا اور ان کی شخصیت ان کے نزدیک ناقابل اعتبار ہوگئی۔ فواتح الرحموت میں ہے:

''امام ابوحنیفہؒ پر اس وجہ سے بھی لوگوں نے جرح کی ہے کہ وہ قیاس اور رائے والوں میں سے تھے۔'' (ص154ج3)

مگر حق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی مقبولیت، ان کی فقہ کا شیوع، ان کے تلامذہ کی کثرت اور ان کا اقطار عالم میں

پھیلنا، سلاطین زمانے میں عموماً فقہ حنفی کا رجحان اور اس کو اپنے ملک کا قانون قرار دینا جس کی وجہ سے عموماً فقہائے احناف ہی کا قضا کے عہدے پر تقرر ہوا کرتا تھا یہ اور اس جیسی کچھ اور چیزوں نے کم حوصلہ لوگوں میں بغض وحسد کی آگ بھڑکا دی تھی جنہوں نے اپنی آتش بغض وحسد کو تسکین دینے کے لئے امام ابوحنیفہؒ جیسی پہاڑ اور بھاری شخصیت پر زبان درازیاں کیں۔

عبداللہ بن داؤدؒ کا ارشاد ہے:..... ''امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں جرح کرنے والے دو ہی طرح کے لوگ ہیں یا تو وہ ان کے علم کی وجہ سے حسد کرتا ہے یا علم سے جاہل اور ناواقف جو اہل علم کی قدر نہیں پہچانتے ہیں۔''

بہر حال اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ امام ابوحنیفہؒ نے قیاس کا کثرت سے استعمال کیا ہے تو یہ کوئی جرم نہیں اور یہ اگر جرم ہے تو اس جرم کے مرتکب بھی ائمہ مذاہب متبوع ہیں بلکہ عصر صحابہ سے لے کر ہر زمانے میں مسلسل اس جرم کا ارتکاب ہوتا چلا آرہا ہے۔ آخر صرف امام ابوحنیفہؒ ہی کو کیوں طعن وتشنیع کا ہدف بنایا جارہا ہے۔

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں:..... ''امام ابوحنیفہؒ کی قیاس کے باب میں کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ کتاب وسنت سے حکم کی عدم موجودگی میں سارے ہی علماء قیاس کرتے ہیں۔'' (تذکرۃ الراشد ص269)

حضرت امام ہرنیؒ کا ارشاد ہے:..... ''فقہائے امت نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ہمارے زمانے تک فقہ میں دینی احکام کے سلسلے میں قیاس کا استعمال کیا ہے۔'' (جامع بیان العلم ص26 ج2)

قیاس، قرآن وحدیث، عمل صحابہ، عمل مجتہدین سے بہ تواتر ثابت ہے اور اس کا انکار سوائے معتزلہ اور بعض ظاہریہ کے اور کسی سے ثابت نہیں، اس لئے صرف امام ابوحنیفہؒ کو ہدف طعن بنانا اور محض اس جرم میں کہ انہوں نے قیاس جس کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے اس کا استعمال کیا ہے، مجروح قرار دینا انتہائی درجے کی جرات اور بدترین قسم کی بد دیانتی ہے۔

دوم یہ کہ قیاس ورائے کا استعمال اگر قرآن وحدیث کے مقابلے میں ہو تو بلاشبہ یہ قابل جرح امر ہے اور قصداً قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ سے اغماض اور چشم پوشی کرکے اپنی رائے کی پیروی کرنا یقیناً یہ ناقابل برداشت حرکت ہے، اور اس سے بلاشبہ آدمی مجروح ہوجائے، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے قرآن وحدیث کے مقابلے میں رائے کی پیروی کی ہے اور قیاس کا استعمال کیا ہے، انتہائی درجے کی دنائت ہے۔ خود ان کے معاصرین کی شہادت ہے کہ ابوحنیفہؒ سے زیادہ حدیثوں کا متبع اور متلاشی اور اس پر عمل کرنے والا کوئی دوسرا نہیں تھا۔

امام سفیان ثوریؒ جو انتہائی جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیت کے حامل ہیں، امام صاحبؒ کے بارے میں اپنا تاثر بیان کرتے ہیں:

''واللہ، وہ (امام ابوحنیفہؒ) علم (حدیث) پر بہت زیادہ عمل کرنے والے تھے، حرام چیزوں سے باز رہنے

والے تھے، اپنے شہر کے علماء کی اتباع کرتے تھے۔ اسی حدیث کو لینا حلال سمجھتے تھے جو صحیح ہو، ناسخ اور منسوخ احادیث کی ان کو بہت زیادہ شناخت تھی، ثقہ لوگوں کی حدیث کی طلب میں رہتے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کی جستجو میں رہتے تھے۔" (اخبار ابی حنیفہ ص 66)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے:..... "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر حدیث آجائے تو بسر وچشم قبول۔" (عقود الجواہر المضیئہ)

حضرت امام ابوحنیفہؒ خوردہ گیروں پر تعجب کرتے ہوئے فرماتے تھے:..... "لوگ کہتے ہیں کہ میں رائے سے فتویٰ دیتا ہوں، میں تو صرف اثر وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دیتا ہوں۔" (ایضاً)

"حضرت امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ اس شخص پر لعنت کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت کرے۔ انہیں کے ذریعے ہمیں عزت ملی اور کفر وشرک سے نکلے۔" (انتقاء ص 141)

بلکہ آپ کے مخالفین تک نے دعویٰ کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس سے اولیٰ ہے۔

ابن حزمؒ لکھتے ہیں:..... "لوگوں نے اجماع کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس سے اولیٰ ہے۔" (اعلام الموقعین ص 77 ج 1)

ابن حزمؒ مزید فرماتے ہیں:..... "امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث قیاس سے اولیٰ ہے۔" (جزء مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ ص 21)

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے یہاں صحابی کا قول حجت ہے، اس کے مقابلے میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔

مجتہد صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے اس کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔ (نور الانوار)

ابن قیمؒ فرماتے ہیں:..... "قیاس اور رائے پر ضعیف حدیث اور آثار صحابہ کو مقدم کرنا، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے۔" (اعلام الموقعین ص 77 ج 1)

میں اس کلام کو بہت زیادہ طول نہیں دینا چاہتا۔ میں نے اپنی کتاب "مکانۃ الامام ابی حنیفہؒ فی علم الحدیث" میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ میں نے یہ چند شہادتیں محض یہ دکھانے کے لئے پیش کی ہیں کہ جو لوگ امام ابوحنیفہؒ کو اس لئے مجروح اور مطعون قرار دیتے ہیں کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں، ان کا یہ بیان کہاں تک صحیح ہے اور اس طرح کی افترا پردازی کرنے والے آخر خدا کے یہاں کیا جواب دیں گے۔

اور اگر کوئی زور لگا کر یہ ثابت ہی کر دے کہ فلاں حدیث کو امام ابوحنیفہؒ نے ترک کر دیا ہے اور فلاں مسئلے میں انہوں نے قیاس اور رائے کی پیروی کی ہے کہ تو اولاً یہ سراسر افترا اور بہتان ہوگا کہ امام نے فلاں حدیث کو قیاس کے مقابلے میں چھوڑا ہے۔ یقیناً اس چھوڑنے کی کوئی علت ہوگی۔ بلا علت کسی بھی عالم کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کسی حدیث کو ترک کر دے گا چہ جائیکہ یہ بات امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کہی جائے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ صحابہ کے آثار اور

ضعیف حدیث تک کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔

ثانیاً ہم یہ عرض کریں گے کوئی عالم، کوئی محدث، کوئی فقیہ ایسا نہیں ہے جس کا عمل تمام احادیث پر ہو اور اس نے کسی حدیث کو چھوڑا نہ ہو۔

حضرت امام مالکؒ کی جلالت شان اور ان کی علمی عظمت کا ہر شخص معترف ہے۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے ایک دو نہیں ستر مسئلوں میں حدیث کو چھوڑ کر رائے کا استعمال کیا ہے چنانچہ مشہور فقیہ اور محدث امام لیث ابن سعد نے اس پر شدید نکیر کی اور ان سے اس بارے میں خط و کتابت بھی کی۔ حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

''لیث بن سعد کا بیان ہے کہ میں نے امام مالکؒ کے ستر مسئلے شمار کئے جو سب کے سب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہیں۔ امام مالکؒ نے اس میں اپنی رائے سے فیصلہ صادر کیا ہے اور اس سلسلے میں میں نے امام مالکؒ سے خط و کتابت بھی کی۔'' (جامع بیان العلم ص148 ج2)

امام مالکؒ جن کی عظمت شان مسلم ہے، فقہ اور حدیث کے بارے میں جن کو امامت کا درجہ حاصل ہے، جو امام اہل مدینہ اور فقیہ مدینۃ الرسول سے یاد کئے جاتے ہیں، ان کے بارے میں ایک امام فقہ اور محدث کا بیان ہے کہ انہوں نے ستر مسئلوں میں حدیث رسول کی مخالفت کی ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا کسی کو جرات ہے کہ کہہ دے کہ امام مالکؒ نے قصداً اور بلا کسی علت اور وجہ کے آنحضور صلی اللہ علیہ ولم کی ستر صحیح اور ثابت حدیث کو چھوڑ دیا ہے اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ امام لیث نے امام مالکؒ پر افترا کیا ہوگا، اس لئے کہ امام لیث کی عظیم شخصیت اس سے بہت اونچی ہے کہ وہ کسی بھی عالم کے بارے میں اس طرح کی بات کہیں۔ امام مالکؒ کا مقام تو بہت اونچا ہے۔ لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا کہ امام مالکؒ کے نزدیک ان ستر حدیثوں کے چھوڑنے کی کوئی نہ کوئی علت ہوگی، جس کو انہوں نے خط و کتابت میں ظاہر کیا ہوگا، اگرچہ اس وقت ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ مسائل کیا تھے اور ان مسائل میں ترک حدیث کی علت امام مالکؒ کے نزدیک کیا تھی۔

☆.....☆.....☆

''موضح قرآن'' سے ۱۲۰۵ کا عدد نکلتا ہے اور ۱۲۰۵ھ ہی تکمیلِ ترجمہ کا سال تھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو قرآن سے قلبی لگاؤ تھا، اُنہوں نے برسہابرس اعتکاف کرکے قرآن کا مطالعہ کیا، قرآن میں غور وخوض کیا، دہلی کی مسجد اکبر آبادی میں بارہ سال تک معتکف رہے۔ اس عرصہ میں صرف قرآن کریم پڑھتے پڑھاتے اور اس پر غور وخوض فرماتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے اس مطالعہ اور فکر کا عطر ''موضح قرآن'' کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ترجمہ وتفسیر ''موضح قرآن'' مکمل کرنے کے بعد خود فرماتے تھے:

روز قیامت ہر کسے باخویش دارد نامہ
من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآن در بغل

یعنی قیامت کے دن ہر شخص اپنا نامہ اعمال اور عمر بھر کی کارگزاری لیے حاضر ہوگا، میں بھی قرآن کریم کی تفسیر اُٹھائے بارگاہِ قدس میں حاضر ہوں گا۔

دینی کام کرنے والوں میں باہمی ربط کیسا ہو؟

مولانا محمد افضال الرحمٰن

دین کی حفاظت واشاعت، مسلمانوں میں نیکیوں اور اچھائیوں کا ذوق وشوق، برائیوں وگناہوں سے نفرت وبیزاری کا رجحان پیدا کرنے کے سلسلہ میں جو جدوجہد اور کوششیں جاری ہیں خواہ کسی بھی شکل وصورت میں ہوں، ان کی ضرورت وافادیت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ ان کی اہمیت مسلم، اسی کے ساتھ اس سلسلے میں ہونے والے کاموں کو اگر دیکھا جائے تو ان میں بظاہر نہ یکسانیت ہے نہ ہی یگانگت ہے بلکہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ہر ایک کا انداز بالکل جداگانہ، ہر ایک کے طریقۂ کار اور رنگ ڈھنگ بالکل علیحدہ، ہر ایک کے اپنے اصول ہیں، ضوابط ہیں، مستقل نظام ہے، ایسی صورت میں قابل غور بات یہ ہے کہ دینی مراکز ومجالس، تحریکوں وتنظیموں اور اداروں میں باہمی ربط وتعلق اور دینی کام کرنے والوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ طرز عمل اور رویہ کیسا ہونا چاہئے؟

تبلیغ، تعلیم، تزکیہ، دین کے بنیادی شعبے ہیں:..... یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ قرآن پاک کی جن آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کے بلند مقاصد واغراض کو بیان کیا گیا ہے، ان میں بنیادی طور پر تبلیغ، تعلیم، تزکیہ، ہی کو ذکر کیا گیا ہے۔

﴿هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم﴾ وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔ ﴿یتلو علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة﴾ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب ودانش مندی کی باتیں سکھلاتے ہیں، ان کاموں کا آپ کے فرائض نبوت میں سے ہونا اس بات کو بتا رہا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اصل مقصود یہ ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسرے کی حیثیت ضمنی اور ثانوی ہے، یہ اہم ہے اور یہ غیر اہم، مرتبہ کے اعتبار سے اس کا درجہ زیادہ ہے اور اس کا کم ہے۔

تفاضل کا ضابطہ اور اس کا تقاضہ:..... اور یہ فیصلہ کیا بھی کیسے جا سکتا ہے..... کیوں کہ ایک کو افضل، دوسرے کو مفضول اور ایک کو دوسرے کے مقابلہ پر ترجیح کا ضابطہ ایسی چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک ہی نوع کی ہوں اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ انواع کے اعتبار سے الگ الگ ہوں تو پھر ان میں تفاضل و ترجیح کا سوال نہیں ہوتا۔ اسی حقیقت کی ترجمانی مرشدی محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ نے بڑے دلنشین انداز میں فرمائی ہے کہ:

''تفاضل ایک نوع میں ہوتا ہے نہ کہ دو نوع میں، کوئی اگر سوال کرے کہ آنکھ بہتر ہے یا کان بہتر ہے، یا زبان بہتر ہے؟ تو جواب دیا جائے گا کہ ہر ایک ان میں ضروری ہے، ان میں تفاضل کا سوال ہی غلط ہے، کیوں کہ یہ الگ الگ نوع ہیں، البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں آنکھوں میں جو زیادہ دیکھتی ہے وہ افضل ہے اور دونوں کانوں میں جو زیادہ سنتا ہے وہ افضل ہے، اس مثال سے اب یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ تعلیم و تبلیغ، تزکیہ میں کس کی ضرورت زیادہ ہے؟ یہ سوال مناسب نہیں، کیوں کہ یہ انواع مختلفہ ہیں، انواع مختلفہ میں تفاضل نہیں ہوتا، لہٰذا ہر ایک کی ضرورت ہے، تبلیغ بھی ضروری، تعلیم بھی ضروری، تزکیہ بھی ضروری۔''

(مجالس ابرار ص 494)

جب معاملہ یہ ہے تو پھر تینوں ہی کام مقاصد میں سے ہیں، اپنی اپنی جگہ اہم و ضروری ہیں، کسی ایک سے بھی تغافل و پہلو تہی نہ ہونا چاہئے، نہ کسی کو معمولی و گھٹیا سمجھنا چاہئے، سبھی شعبوں کی آبیاری ہونی چاہئے، جب تک یہ تینوں کام نہ انجام دیئے جائیں، سعی و کوشش کر کے ان کو زندہ نہ کیا جائے، اس وقت تک کار نبوت کی پورے طور پر نہ تو انجام دہی ہوگی نہ ہی یہ امت اپنے فرائض و ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوگی، بلکہ جس شعبہ سے تغافل ہوگا اس پر مواخذہ ہوگا۔

تینوں شعبوں میں باہمی تعلق اور اس کا فائدہ:..... یہ تینوں اگر چہ دیکھنے کے اعتبار سے الگ الگ ہیں لیکن حقیقت کے لحاظ سے آپس میں ایک دوسرے سے اس طرح مربوط و جڑے ہوئے ہیں کہ انسانی زندگی میں کمال و خوبی جبھی آئے گی جب یہ تینوں کام ہوں، کسی ایک سے بھی پہلو تہی کر لی جائے تو نقص و کمی کا ہونا لازمی ہے، کیوں کہ تبلیغ و تعلیم سے ایمان و عقیدہ، علم و عمل وجود میں آتا ہے اور تزکیہ سے اخلاص و احسان اور اعمال میں قبولیت پیدا ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ ان کے بغیر انسان کی کامیابی و فلاح کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ہے، جب ان کا وجود تبلیغ، تزکیہ سے ہے تو یہ تینوں ہی ضروری ہوئے۔ ایسی صورت میں ان میں ہر ایک کے بارے میں یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ نافع ہے، یہ مفید ہے، لیکن کسی ایک کو کافی نہیں کہا جا سکتا، کافی اسی وقت ہوگا جب تینوں ہوں، اس لئے اپنی حیثیت و وسعت کے موافق جس کو جس کام سے مناسبت ہو اس میں تعاون کرنا چاہئے جو جس شعبہ میں لگا ہوا ہے وہ دین ہی کا کام کر رہا ہے، دین کا کام کرنے والے باہم ایک دوسرے کے رفیق و معاون ہیں، آپس میں ہمدردی کا معاملہ، خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہئے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہئے، باہمی نصرت و مدد کی فکر و کوشش ہونی چاہئے، ایک دوسرے کی خدمت کو سراہنا اور ترقی سے